الہامی کتابوں کا رُوئے سخن

محمد تاثیر

کسی صوفی بزرگ کا قول ہے: "ہمارا یہ جسم مٹی سے تیار کیا گیا ہے' چنانچہ اس جسم کی تمام تر ضروریات اور اس کے لوازمات اسی زمین میں رکھ دیئے گئے ہیں' جبکہ ہماری روح اللہ کی طرف سے ہے' لہٰذا روح کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہے۔"

"وحی" عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی "اشارۂ لطیف" ہے۔ انسانی روح نہایت لطیف شے ہے۔ اگر مستقل گمراہی سے بچا جائے تو بدن میں رہنے کے باوجود یہ بدن کی کثافت سے کم ہی آلودہ ہوتی ہے۔ ہاں ایسی گمراہی جس کے بعد کوئی توبہ نہ ہو' روح پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ حدیث میں گناہ کرنے اور تائب نہ ہونے پر دل پر جس سیاہ نقطہ کے بن جانے' پھر گناہ در گناہ کئے جانے پر پورے دل کے سیاہ ہو جانے کا ذکر ہے' اس میں اسی جانب اشارہ ہے۔ اگر روح مادی کثافتوں سے آلودہ نہ ہو اور اپنی اصل حالت میں برقرار رہے تو اس "لطیف شے" کو عالمِ بالا سے لطیف اشارے ملتے رہتے ہیں جن کو ہم اصطلاح میں الہام کہتے ہیں۔ اور اس کی انتہائی ترقی یافتہ شکل کا نام وحیِ الٰہی ہے جو اس نے اپنے چنے ہوئے بندوں (انبیاء و رسل) پر نازل فرمائی۔ قرآن میں انسان کے علاوہ شہد کی مکھی کو وحی کرنے کا جو ذکر ہے اس سے ان کو دی جانے والی ہدایات کا انکی سرشت میں ڈال دیا جانا مراد لینا قرین قیاس ہے۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۵۱ میں وحی (اللہ کے بشر سے کلام کرنے) کی اقسام کا بیان ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط

"اور نہیں ہے کسی بشر کے لئے کہ کلام کرے اس سے اللہ مگر وحی سے' یا

پردے کے پیچھے سے' یا بھیجے اپنا پیغام بر جو اس کی مرضی سے وحی کرے جو وہ (اللہ) چاہے۔"

یہ وحی انبیاء پر کس طرح نازل ہوتی ہے' یہ ایک الگ موضوع ہے۔ یہاں ہمیں ابتداءً یہ دیکھنا ہے کہ یہ وحی انبیاء سے عام لوگوں تک کیسے پہنچتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے انسانی ذہن کی ساخت کو دیکھنا چاہئے۔ انسانی ذہن میں سب پہلے خیال آتا ہے جو مجرد ہوتا ہے' اسکی زبان ہوتی ہے نہ الفاظ۔ پھر ذہن اس خیال کو الفاظ کا جامہ پہنادیتا ہے۔ پھر ان الفاظ کے ابلاغ کا اظہار خطاب کی صورت میں ہوتا ہے۔ تحریر اس سے اگلی حالت کا نام ہے۔ وحیِ الٰہی کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے ابلاغ کا قریب تر طریقہ یعنی خطاب کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام آسمانی کتب خطابی صورت سے گہری مماثلت رکھتی ہیں۔ خصوصًا قرآن حکیم میں خطاب کا اسلوب بہت نمایاں ہے۔ توراۃ (عہد نامۂ قدیم کی پہلی پانچ کتب یعنی Pentateuch) پر نظر ڈالنے سے بھی احساس ہوتا ہے کہ سوائے دس تحریری احکام (Ten Commandments) کے' تبلیغ رسالت میں زیادہ تر کام خطبات ہی سے لیا گیا ہے' جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے **"وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي"** کی دعا کی تھی۔ زبور اور اس اسلوب کی دیگر کتب دعائیہ مزامیر کی صورت میں ہیں جن میں اکثر و بیشتر بندے کا خطاب خدا کی طرف ہے اور اسی کو ذریعۂ تعلیم و حکمت بنایا گیا ہے۔ انجیل کے بارے میں بھی معروف ہے کہ یہ کتاب تو نام ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے تین سالہ پُرحکمت خطبات کا ہے۔

خطیب کا اپنے بیان پر قابو رکھنا اور صیغۂ کلام کا خیال رکھنا خطابت کے لوازمات میں سے ہے۔ ایک اچھا خطیب اپنے لب و لہجہ کے تغیر اور چشم و ابرو کے اشاروں سے دورانِ خطاب کبھی اپنے مخاطب کو بدلتا ہے اور کبھی اپنی حیثیت کو ---- اور یہ بات خطابت کے اعلیٰ ترین اوصاف میں سے ہے کہ سامع کلام کی روانی کے ساتھ خطیب اور مخاطب کا تعیّن کرتا چلا جائے۔ خطابت کا یہی اعلیٰ وصف یعنی مخاطِب اور سامع کا بدلتے رہنا آسمانی کتابوں کا بھی ایک مشترکہ وصف ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم قرآن حکیم اور دیگر آسمانی کتب کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

قرآن حکیم میں تعیینِ خطاب

قرآن حکیم خطابت اور بلاغت کا عظیم الشان معجزہ ہے۔ تحریری صورت میں آنے سے اس کی معجزانہ شان میں اور اضافہ ہوگیا ہے اور خطیبانہ حسن کے علاوہ اس کی ادبی شان بھی واضح تر ہوگئی ہے۔ تحریری صورت میں ہونے کے باوجود اس کا خطابی اسلوب اتنا واضح ہے کہ اس سے معمولی واقفیت رکھنے والے ایک عام قاری کے لئے بھی تعیینِ خطاب کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، بلکہ اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ مخاطب کہاں بدل گیا ہے، حالانکہ بعض جگہ ایک ہی آیت میں خطاب بدل جاتا ہے۔

امام حمید الدین فراہیؒ نے "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" میں قرآن پاک میں تعیینِ خطاب کے مسئلہ پر مختصر مضمون تحریر فرمایا ہے۔ یہاں اس مضمون کے چند فقروں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جن سے تعیینِ خطاب کا مسئلہ کسی قدر واضح ہوجاتا ہے:

"پورا قرآن اللہ کا کلام ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خطاب اللہ ہی کی طرف سے ہے، مثلاً اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اس آیت میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں کہ ہم تاویل کرسکیں کہ اللہ نے بندوں کو یوں کہنے کو فرمایا ہے۔ خطاب میں ایک مصدر ہوتا ہے ایک منتہی۔ مصدر یا تو اللہ ہوگا یا جبرئیل یا رسولؐ یا لوگ۔ اور منتہی یا اللہ ہوگا یا رسول یا لوگ۔ مثلاً سورۃ العلق جبرئیل کی زبان سے شروع ہوتی ہے، جبکہ آگے چل کر کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگیا۔ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ"

قرآن کاملاً محفوظ کتاب ہے اور یہ اسی حالت میں موجود ہے جس حالت میں یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ ان حالات میں آیاتِ قرآنِ حکیم میں خطاب کا تعین کرنے کے لئے خارج سے مدد لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

شاہ ولی اللہؒ کے مطابق معنوی طور پر آیاتِ قرآنی پانچ علوم کے حیطہ میں ہیں۔
۱۔ علمِ احکام ۲۔ علمِ مناظرہ ۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ ۴۔ علم تذکیر بایّام اللہ ۵۔ علم تذکیرِ موت (الفوز الکبیر)

اس تقسیم کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ کس قسم کی آیات میں عام طور پر خطاب کا رخ کس

کی طرف رہا ہے اور خطیب اور مخاطب کی تبدیلی کس کس رنگ میں ہوئی ہے۔

وہ آیات جن میں احکام بیان کئے گئے ہیں ان میں عام طور پر خطاب اللہ تعالیٰ یا جبرئیل کی طرف سے ہے۔ اکثر مقامات پر اللہ کی طرف سے ہونا معلوم ہوتا ہے' لیکن بعض جگہ (مثلاً سورۃ الحجرات میں) کلام کا صدور جبرئیل سے ہوتا ہے۔ احکامات کے ضمن میں بعض آیات ان سوالات کے جواب میں ہیں جو رسول کریمؐ سے کئے گئے ان آیات میں اکثر پہلے سوال بیان کیا گیا ہے' مثلاً : "یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ" یا "یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ" پھر نبیؐ ہی کی وساطت سے جواب دیا گیا ہے کہ "قُلِ الْعَفْوَ" یا "قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ"

علمِ مناظرہ کے تحت وہ آیات آتی ہیں جن میں باطل فرقوں' مشرکین' منافقین اور اہلِ کتاب کا رد ہو۔ ان آیات میں اندازِ تخاطب بدلتا رہتا ہے۔ کہیں ان لوگوں کو براہِ راست خبردار کیا گیا ہے' کبھی نبیؐ سے کہا گیا ہے کہ ان سے دلیل طلب کرو اور کہیں مؤمنین کو ان کے لغو عقائد سے آشنا کرایا گیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۴۰ تا ۴۲ اسکی عمدہ مثال ہیں:

اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا ؕ اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ○ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ○ قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَہٗٓ اٰلِھَۃٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ○

(پہلی آیت میں کلام براہ راست مشرکوں سے ہے) "کیا تم کو چن دیئے تمہارے رب نے بیٹے اور اپنے لئے کر لیا فرشتوں کو بیٹیاں۔ تم کہتے ہو بھاری بات" (دوسری آیت میں خطاب مومنوں سے ہوگیا ہے کہ) "اور پھیر پھیر کر سمجھایا ہم نے قرآن کو تاکہ سمجھیں اور انکو صرف بدکنا ہی بڑھتا ہے" (آگے منتہیٰ کلام رسولؐ ہیں) "کہو اگر ہوتے اس کے ساتھ معبود جیسا یہ کہتے ہیں تو صاحبِ عرش کی طرف راہ نکال لیتے۔"

یا مثلاً سورۃ البقرہ کی آیات ۸۴ اور ۸۶ میں خطاب یہودیوں سے ہے' لیکن اگلی آیت میں مخاطب مؤمنین یا عام لوگ ہوگئے ہیں۔

تذکیر بآلاء اللہ والی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور بدء الخلق وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے ضمن میں جو آیات ہیں وہاں خطاب کا تعین مشکل ہو جاتا ہے اور ایسی آیات کے انداز کے ہمہ گیر ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ ان آیات میں اکثر لفظ ھُوَ (وہ) استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الخ

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج الخ

بعض جگہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ مثلاً:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط

"کہو: اے اللہ! آپ ہی ملک کے مالک ہیں' جس کو چاہیں ملک دیں' جس سے چاہیں لے لیں' جس کو چاہیں عزت دیں' جس کو چاہیں ذلت دیں۔"

آیاتِ فطرت بھی اسی علم کے تحت آتی ہیں کہ ان سے توحید و معاد کی دلیل کا کام لیا گیا ہے۔ ان آیات کا انداز بھی قریب قریب وہی ہے' مگر یہاں بعض جگہ خطاب خاص طور پر منکرین سے ہو گیا ہے:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ

"کیا نظر نہیں کرتے اونٹ کی طرف کہ کیسے بنایا گیا؟ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا؟"

علم "تذکیر بایام اللہ" سے مراد وہ علم ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے کاموں کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں امم سابقہ کے واقعات مختلف اسالیب میں بیان کئے گئے ہیں۔ اکثر جگہ یہ واقعات عام واقعے کی طرح بیان کئے گئے ہیں جن میں متکلم غائب ہوتا ہے۔ اس کی عمدہ مثال احسن القصص سورۂ یوسف ہے۔ مگر یہاں بھی کئی جگہ متکلم کا تعین ہو جاتا ہے جو اکثر اللہ تعالیٰ ہیں۔ مثلاً:

وَ لَقَدْ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ

"تحقیق ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی۔"

واقعات میں مخاطب اکثر و بیشتر عام لوگ ہی ہوتے ہیں' لیکن کہیں کہیں اس کا رخ بھی بدلتا رہتا ہے اور بعض جگہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گیا ہے۔ مثلاً سورۂ

آل عمران کی آیت:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○

"اور تم وہاں نہ تھے جب وہ اپنی اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو کون پرورش کرے اور نہ تم وہاں تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔"

بعض جگہ خطاب قاری سے ہے، جیسے سورۂ کہف میں اصحاب کہف کے واقعہ میں:

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ○

"اگر تو جھانک کر دیکھے تو پیٹھ پھیر کے بھاگے اور بھر جائے تجھ میں انکی دہشت"

علمِ تذکیرِ موت، موت کے بعد کے واقعات سے آگاہ کرنے کا علم ہے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے اور اس کے لئے سب زمانہ ایک ہی زمانہ ہے، جس میں ماضی، حال اور مستقبل کا کوئی تصور نہیں، لہٰذا یہی ہمہ گیریت ہمیں کلامِ الٰہی میں نظر آتی ہے کہ آخرت کے واقعات عام واقعات ہی کی طرح بیان کئے گئے ہیں۔ ایسی آیات میں خطاب عام طور پر عام لوگوں کی طرف ہے۔ البتہ کہیں کہیں خطاب کبھی مومنوں اور کبھی کبھی کافروں کے ساتھ خاص ہوجاتا ہے۔

مثلاً ملاحظہ ہوں سورۂ یٰسٓ کی آیات ۶۳ تا ۶۵:

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

"یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج داخل ہو جاؤ اس میں اپنے کفر کے سبب۔ (کلام کا رخ بدلتا ہے) آج کے دن ہم مہر لگادیں گے انکے مونہوں پر اور کلام کریں گے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں اس پر جو یہ کرتے تھے۔"

قرآن حکیم کا ایک حصہ دعاؤں پر مشتمل ہے جو بندہ اپنے رب سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعائیں کرنے کا طریقہ لوگوں کو سکھایا ہے۔ اکثر یہ دعائیں امر کے صیغے "قُلْ"

سے شروع ہوتی ہیں، لیکن بعض جگہ یہ دعائیں ایسے الفاظ کے بغیر ہیں۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ۔ کہیں کہیں دعاؤں کے درمیان صیغۂ کلام بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵:

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ○ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ؕ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا...

"اور کہتے ہیں سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے، اے ہمارے رب ہماری مغفرت کر اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ـــــ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی کو مگر اسکی وسعت کے مطابق، اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا ـــــ اے ہمارے رب، مت مؤاخذہ کر ہم سے اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے..."

یہ ایک رکوع ہے، مگر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ سے مَا اکْتَسَبَتْ تک کا حصہ دعائیہ نہیں ہے۔ اس میں خطاب یا تو اللہ کی طرف سے ہے یا پھر جبرئیلؑ کی طرف سے ہے۔ "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا" سے پھر دعائیہ کلمات شروع ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی بعض آیات میں پوری انسانیت کو اسلام کی دعوت "یَا اَیُّھَا النَّاسُ" کے خطاب سے دی گئی ہے۔ ان آیات کا اندازِ تخاطب بڑا ہی اثر پذیر ہے۔ ان آیات میں کلام کا صدور کہیں اللہ کی طرف سے ہے، کہیں رسولؐ کی طرف سے۔ مثلاً:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ... (الاعراف:۱۵۸)

"کہو اے لوگو، میں اللہ کا رسولؐ ہوں تم سب کی طرف جس کی بادشاہی ہے زمین و آسمانوں میں۔ نہیں کوئی معبود مگر وہ، زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ـــــ (آگے مصدر کلام نبیؐ کی بجائے ذات باری تعالیٰ ہے) ـــــ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسولؐ پر جو نبی امی ہیں، جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر..."

محولہ بالا آیت میں "فَاٰمِنُوا بِاللّٰہِ" سے کلام کا مصدر بدل گیا ہے، مگر کلام کی روانی سے قاری پر صادرِ کلام کی تبدیلی کا احساس بھی نہیں ہوتا اور یہی کلامِ الٰہی کا وصف ہے۔

سابقہ کتبِ سماوی کا اندازِ تخاطب

قرآن ایک زندہ کتاب ہے ---- اسکی زبان عربی آج بھی ایک زندہ زبان ہے اور یہ کتاب اپنے نزول سے لیکر اب تک مسلسل نہ صرف صفحات میں بلکہ کروڑوں لوگوں کے سینوں میں محفوظ رہی ہے، اس لئے اس کے محاسن آج بھی واضح ہیں۔ لیکن جب ہم دوسری کتبِ سماوی پر تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے جس چیز سے مایوسی ہوتی ہے وہ ان زبانوں کا متروک ہو جانا ہے جن میں یہ کتب نازل ہوئیں۔ دوسری مایوس کن بات ان کا ترجمہ در ترجمہ ہوتے رہنا ہے۔ پھر مزید یہ کہ ان کتب میں وسیع پیمانے پر تحریف کردی گئی ہے۔ اس تحریف کا آغاز غالباً وہاں سے ہوا جہاں یہودی علماء و احبار نے اپنے تفسیری اور تشریحی فقرات کو جزوِ کتاب بنا دیا یا ان کے بعد ان کے یہ فقرے جزوِ کتاب بنا دیئے گئے۔ چنانچہ کلامِ الٰہی، کلامِ نبی اور تشریحی فقرات کے مل جانے سے جہاں ان میں تحریف ہوگئی وہیں ان کا خطیبانہ حسن بھی تباہ ہوگیا ---- لیکن اس کے باوجود انکے مطالعہ سے یہ حیرت انگیز پہلو سامنے آتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا خاص وصف یعنی صیغۂ کلام کا بدلتے رہنا یہاں بھی موجود ہے۔ بلکہ اگر پڑھتے وقت قاری اس پہلو کو سامنے رکھے اور تشریحی اور تفسیری فقرات سے اصل کتاب کو چھانٹتا چلا جائے تو نہ صرف یہ کہ ان کتب کا خطیبانہ حسن واضح ہوگا بلکہ بہت سے باطل عقائد کی بیخ کنی بھی ہو سکے گی۔ خاص طور پر "اناجیلِ اربعہ" کا مطالعہ اس طور پر کیا جائے تو ان بہت سے مشرکانہ عقائد کا خاتمہ ممکن ہوگا جن کی وجہ اُن بہت سے فقروں کا مصدر مسیح کو سمجھ لیا جاتا ہے جن کا مصدر ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

اب ہم بائبل پر قدرے تفصیل سے نگاہ ڈالتے ہیں کہ اسکی کتب کس رنگ میں ہیں اور ان میں اکثر خطاب کا رخ کس سے کس کی طرف ہے--- توراۃ (کتبِ خمسہ) کے متعلق یہودی روایات سے گمان ہوتا ہے کہ جب عُزَیر علیہ السلام نے توراۃ کو راویوں اور احبار کی یادداشت اور الہام کے سہارے مرتب کیا تو اس کتاب کو تاریخی ترتیب کے

حوالے سے لکھا گیا۔ یاد رہے کہ عزیرؑ نے توراۃ کو اس کی اڑھائی صدیوں کی گمشدگی کے بعد مرتّب کیا تھا اور یہودی روایات کے مطابق یہ کتاب اُس وقت سے اب تک متواتر اسی حالت میں موجود رہی ہے۔ لیکن تاریخی تحقیق کے مطابق سکندر اعظم کی فتوحات نے عبرانی زبان کو متروک کردیا تو توریت کا ترجمہ بتدریج یونانی زبان میں کیا گیا۔ اِس وقت سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجودہ توراۃ وہی ہے جو اُس وقت یونانی زبان میں لکھی گئی؟ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ قرائن بتاتے ہیں کہ واقعۂ صلیب کے بعد سے ظہورِ اسلام کے ایک دو صدی بعد تک تحریفِ توراۃ کا بدترین دور گذرا ہے جب اپنی ہی کتب کی آیات کی زد یہود کے اپنے خود ساختہ عقائد پر پڑتی تھی جو انہوں نے دو رسولوں کو جھٹلا کر گھڑ لئے تھے ---- جب بقول قرآن، مریمؑ پر بہتان لگانے اور مسیحؑ کے قتل کا دعویٰ کرنے کے باعث انکے دلوں پر مہر لگ چکی تھی اور بقول انجیل مسیحؑ کو جھٹلانے سے ان پر اتمام حجت ہو چکا تھا اور ان کی شریعت منسوخ اور فضیلت ختم ہونے والی تھی، اور یہ منصب کسی اور کو سونپا جانے والا تھا (متی باب ۲۱)۔ اس کے بعد وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے تحریفِ کتاب کو کاروبار بنالیا، جس پر قرآن نے بار بار "**لَا تَشْتَرُوا بِاٰیَاتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا**" کہہ کر ان کے ضمیر کو جگانے کی کوشش کی۔ ہو سکتا ہے اُس دور میں توراۃ کی ترتیب کو نیا انداز دیا گیا ہو۔ ان میں سے کوئی بات درست ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ توراۃ ایک تاریخ کی کتاب ہے جس میں ابتدائے آفرینش (کتابِ پیدائش) سے لے کر (موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے کے باوجود) موسیٰؑ کی وفات کے بعد تک کا ذکر ہے (کتاب استثناء)۔

کتاب پیدائش میں ابتدائے آفرینش سے موسیٰؑ تک کے پیغمبروں کے واقعات حکایتی انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ اس تاریخ کا نام ہو جو بنی اسرائیل نے کلام الٰہی اور نبیوں کی خبروں سے اخذ کی ہو اور واقعات کے تسلسل کے لئے اس میں رطب و یابس سب کچھ شامل کر دیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں کلام کی تبدیلی کا مسئلہ موجود نہیں ہے۔ کتاب خروج سے موسیٰؑ کے دور کے واقعات کا آغاز ہوتا ہے جو موسیٰؑ کی وفات (کتاب استثناء) تک چلتا ہے۔ بہرطور کتب خمسہ کے مطالعہ سے ان کتب میں تین قسم کے فقرات ملتے ہیں:۔

اولاً، واقعات: قدیم واقعات جن کو بنی اسرائیل نے توراۃ اور سابقہ صحائف (کلام

نبی اور ہر قسم کی تاریخی روایات، جن میں بعض نہایت لغو ہیں) کی مدد سے مرتب کیا اور واقعاتِ دورِ موسیٰؑ" جن میں موسیٰؑ کی پیدائش، جوانی، نبوت، فرعون سے ٹکراؤ، خروجِ مصر، قبائل کے سرکردہ لوگوں کا ذکر اور وفات شامل ہے۔

ثانیاً: موسیٰؑ کے خطبات اور قوم کو خوفِ خدا دلانا اور اسکے احکامات یاد کرانا۔ یہ قسم آخری کتاب استثناء میں ملتی ہے۔ اسلئے اس کتاب میں یہ فقرہ کہ" میں خداوند تمہارا خدا ہوں" غالباً کہیں بھی نہیں ہے، بلکہ یہ انداز نظر آتا ہے:

"تو اپنے خداوند سے دل وجان سے محبت رکھنا، اسکی پیروی کرنا، اسکا خوف کرنا اور سب حکموں کو جو میں آج کے دن تم کو دیتا ہوں احتیاط کر کے عمل کرنا۔" (باب ۲، آیت ۵)

ثالثاً کلامِ الٰہی جس میں غیرالہامی فقرات کی آمیزش کے باوجود ہیبت و جلال ٹپکتا ہے اور صیغۂ کلام کئی جگہ بدلتا رہتا ہے، یہ کلام کثرت سے "خروج و احبار" نامی کتب میں ملتا ہے۔ ان کتب سے چند مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے احساس ہو گا کہ ان کتب میں بھی خطیب و مخاطب بدلتے رہتے ہیں۔ کتاب خروج باب ۲۹ میں موسیٰؑ کی زبانی قوم کو فقہی ہدایات یوں دی جا رہی ہیں:

"اور تو ہر روز ایک ایک برس کے دو بکرے قربان گاہ پر چڑھایا کرنا... ایسی ہی سوختنی قربانی تمہاری پشت در پشت خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر خداوند کے آگے ہوا کرے گی (رخِ کلام بدلتا ہے) وہاں میں تم سے ملوں گا۔ وہ تمام میرے جلال سے مقدس ہو گا۔ (مخاطب لوگوں کی بجائے موسیٰؑ ہو گئے ہیں) میں ہی خداوند انکا خدا ہوں۔"

محولہ بالا آیت میں تو خطیب و مخاطب اتنی تیزی سے بدلے ہیں کہ خطابت کی کاٹ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہو پائی، مگر اکثر جگہ بنی اسرائیل کے علماء کا تبصرہ شامل ہو گیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو کتاب احبار باب ۱۸ آیت ۳۰:

" اسلئے میری شریعت کو ماننا اور یہ مکروہ رسمیں اس میں جو تم سے پہلے ادا کی جاتی ہیں ان میں آلودہ نہ ہونا میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ پھر خداوند نے موسیٰؑ سے کہا بنی اسرائیل کی ساری جماعت سے کہو کہ پاک رہیں،

کیونکہ میں جو خداوند تمہارا خدا ہوں پاک ہوں۔"

یہ ایک مسلسل کلام تھا۔ خطاب کی تیزی کے ساتھ ہی کلام میں (جو براہ راست لوگوں سے تھا) موسیٰؑ کو وسیلہ بنایا گیا جو خدائی کلام کا ایک انداز ہے، مگر اس میں انسانی فقرہ "پھر خداوند نے موسیٰؑ سے کہا" عبثِ محض ہے۔ حالانکہ یہاں مطالعہ سے واضح ہورہا ہے کہ یہ ایک مسلسل کلام تھا جس میں آگے چل کر خطاب پھر لوگوں سے ہوگیا ہے۔

توراۃ کی پانچ کتب کے بعد عہد نامۂ قدیم کی اگلی بارہ کتب محض بنی اسرائیل کی تاریخ پر مبنی ہیں، جن میں تلقین، حکمت یا قانونی نکات شامل نہیں --- حتیٰ کہ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ جن کی تاریخ اور ان کی اولاد کے احوال تو سموئیل، تواریخ اور سلاطین میں بھی درج ہیں مگر ان کے کلماتِ حکمت اور کلماتِ تبلیغ الگ کتب کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔ یہ کتب تاریخ کی عام کتب کی طرز پر ہیں، بجز اس کے کہ کہیں کہیں ایسا فقرہ ملتا ہے کہ خداوند نے فلاں کو فلاں کام کرنے کا حکم دیا۔

کتاب "ایوب" حضرت ایوبؑ کی آہ و بکاء پر مبنی ہے اور اس سلوک کا ایک ثبوت ہے جو بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کی سیرتوں کے ساتھ کیا۔

زبور جس حالت میں آج موجود ہے اس میں حضرت داؤدؑ کی پر حکمت تبلیغ اور دعائیں ہی ملتی ہیں۔ پوری کتاب میں غالباً دو چار بار ہی داؤدؑ نے اللہ کا کوئی قول اس کے نام سے قوم کے سامنے بیان کیا ہے اور وہ بھی اقتباس کے انداز میں۔ مثلاً:

"خدا نے اپنی قدوسیت میں فرمایا ہے کہ میں خوشی کرونگا۔ میں سکم کو تقسیم کرونگا .....یہوداہ میرا عصا ہے۔ موآب میری چلمچی ہے۔" (زبور، باب ۱۰۸، آیت ۷ تا ۹)

لیکن مجموعی طور پر یہ خطاب داؤدؑ ہی کا ہے جو کبھی دعائیہ شکل میں ہے اور کبھی لوگوں سے خطاب ہے۔ بعض مزامیر میں خطاب کا رخ اچانک بدل جاتا ہے اور وہاں وہی انداز نظر آتا ہے جو دیگر کتبِ سماوی میں تحویل خطاب کا ہے۔ مثلاً باب ۱۰۹ آیت ۲۹، ۳۰ :

"اے خداوند میرے مخالف ذلت سے ملبّس ہو جائیں اور اپنی ہی شرمندگی کی چادر کو اوڑھ لیں ـــــ میں اپنے منہ سے خداوند کا بڑا شکر کروں گا بلکہ

بڑی بھیڑ میں اسکی حمد کرونگا۔"

اس طرح کئی جگہ لوگوں سے خطاب کے دوران دعائیہ کلمات آجاتے ہیں اور خطاب کا رخ خدا کی طرف ہو جاتا ہے۔ مثلاً باب ۱۴۵ آیت ۸ تا ۱۶:

"خداوند سب پر مہربان ہے۔ اسکی ساری رحمت اسکی ساری مخلوق پر ہے ـــــ اے خداوند تیری ساری مخلوق تیرا شکر کرے گی ..... تیری سلطنت ابدی سلطنت ہے۔"

کتاب کے آخر میں اس طرح کے کلمات بھی ملتے ہیں:۔

"اے نورانی ستارو اسکی حمد کرو۔
اے فلک الافلاک اسکی حمد کرو۔۔
یہ سب خداوند کے نام کی حمد کریں۔" (باب ۱۴۸' آیت ۵ تا ۹)

حضرت سلیمانؑ کی امثال اور انکے بھائی واعظ کی کتاب "واعظ" ان بزرگان کے اقوال حکمت پر مشتمل ہے اور "غزل الغزلات" استعارہ کے رنگ میں ہے۔

غزل الغزلات کے بعد عہد نامۂ قدیم کی آخری سترہ کتب' جن میں سے کئی نہایت مختصر ہیں' بائبل کے اپنے الفاظ میں ان سترہ نبیوں کے "رؤیا" ہیں ---- ایک کتاب "دانی ایل" دانیالؑ نبی کے واقعات پر مبنی ہے' جبکہ باقی کتب اکثر خطبات کی صورت میں ہیں جن کا مقصد بنی اسرائیل کی اصلاح ہے۔ ان کتب میں بنی اسرائیل کو بار بار توراۃ پر عمل کرنے کا حکم ہے اور اخلاق کی درستگی اور ذاتِ خدا اور آخرت کے خوف کا تذکرہ ملتا ہے اور بعض نہایت لطیف حکمت کے نکات بھی ملتے ہیں۔ ان کتب میں بھی کئی جگہ رخِ کلام بدلتا رہتا ہے۔ کبھی خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' کبھی نبی کی طرف سے اور منتہی کبھی نبی ہے اور کبھی لوگ ہیں۔

ذیل میں مختلف کتب سے خطاب کی تبدیلی کی چیدہ چیدہ امثلہ بیان کی جاتی ہیں:

"اسرئیل کا خدا یوں کہتا ہے کہ اگر تم اپنے اعمال درست کرو تو میں تم کو اس مکان میں بساؤں گا ..... (آگے کلام نبی سے ہوگیا ہے) پس تو انکے لئے دعا نہ کر اور ان کے واسطے آواز بلند نہ کر ..... کیونکہ میں تیری نہ سنوں گا۔" (یرمیاہ' باب ۷' آیت ۸ تا ۱۷)

اسی طرح کتاب حزقی ایل جو مسلمان علماء کے خیال میں محرفین کتاب کی دسترس سے کافی حد تک بچی رہی ہے، میں بھی خطاب کا رخ کبھی لوگوں اور کبھی نبی کی طرف مڑتا رہتا ہے۔ مثلاً:

"اور میں تم میں قحط اور برے درندے بھیجوں گا جو تجھے لاولد کردیں گے..... اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد اسرائیل کے پہاڑوں کی طرف منہ کر کے ان کے خلاف نبوت کر۔" (باب ۵، آیت ۱۷، باب ۶، آیت ۱، ۲)

اس آیت میں بھی خطاب عام لوگوں سے نبی کی طرف ہو گیا ہے، مگر درمیان میں فقرہ "اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا" اضافہ ہے وحی نہیں۔

یو ایل باب ۳ آیت ۱۶ میں پہلے خطاب نبی کی طرف سے ہے، پھر خدا کی طرف سے ہو گیا ہے:

"کیونکہ خداوند صیّون سے نعرہ مارے گا..... آسمان و زمین کانپیں گے لیکن خداوند اپنے لوگوں کی پناہ گاہ اور بنی اسرائیل کا قلعہ ہے (پھر منتہیٰ کلام بدلتا ہے) پس تم جانو گے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔"

کتاب "ناحوم" کا آغاز نبی یا جبرئیل کی زبان سے ہوتا ہے:

"خداوند غیّور اور انتقام لینے والا خدا ہے ..... خداوند قہر کرنے میں دھیما اور قدرت میں بڑھ کر ہے۔" (باب ۱، آیت ۱)

آیت ۱۳ میں خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گیا ہے کہ:

"اگرچہ میں نے تجھے دکھ دیا ہے تو بھی پھر کبھی تجھے دکھ نہ دونگا..... تیرے بندھنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔"

کتاب حجّی باب ۳ میں خطاب لوگوں سے ہے کہ:

"مصر سے نکلتے وقت میں نے جو تجھ سے عہد کیا تھا اس کے مطابق میری روح تمہارے ساتھ رہتی ہے۔" (آیت ۵)

آگے خطاب نبی کی معرفت دارا بادشاہ سے ہے:

"ربّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ شریعت کی بابت کاہنوں سے دریافت کر" (آیت ۱۲)

عہد نامۂ قدیم کی آخری کتاب "ملاکی" میں کلام کی روانی ہے اور صیغۂ کلام بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً :

"پس میں نے تم کو سب لوگوں کی نظروں میں ذلیل کیا کہ تم میری راہوں پر قائم نہ رہے ... (کلام کا رخ نبی سے لوگوں کی طرف ہو گیا ہے کہ) کیا ہم سب کا باپ ایک نہیں ہے ؟ کیا ہم سب کو ایک خدا نے پیدا نہیں کیا ؟ (آگے کلام پھر براہ راست لوگوں سے ہو گیا ہے) تم میری طرف رجوع کرو، میں تمہاری طرف رجوع کروں گا۔" (باب ۲، آیات ۹، ۱۰)

عہد نامۂ جدید میں وحی کی تلاش کے لئے فقط اناجیلِ اربعہ (Gosples) قابلِ اعتناء ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی کا سلسلہ معطل رہا ہے ـــــ عہد نامۂ جدید کی باقی تئیس کتب پولوس اور دوسرے علمائے نصاریٰ کے خطوط، تعلیمات یا مکاشفات پر مشتمل ہیں۔

اناجیلِ اربعہ اصل میں حضرت مسیحؑ کی سیرت اور تعلیمات و معجزات پر لکھی گئی کئی صد کتب میں سے چار ہیں جو آپؑ کے بعد اسی برس سے ایک سو بیس برس کے عرصے کے دوران لکھی گئیں ـــــ عیسائی علماء اس بات پر معترض ہیں کہ ان کے مخالف اناجیل کو مسیحؑ کی سوانح کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کتب میں تو مسیحؑ کی پیدائش اور زندگی کے آخری تین سال کے واقعات ہیں، جبکہ سوانح پوری زندگی کو محیط ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کتب کے مطالعہ سے انہیں کسی طرح بھی خاص الہامی کتب کا نام دینا ممکن نہیں۔ ان میں حضرت مسیحؑ کی پیدائش، انکے دور نبوت کی مصروفیات، واقعہ صلیب کے علاوہ آپؑ کی بیان کردہ تماثیل اور چند ایک خطبات ہیں، جن میں ایک ہی تفصیلی ہے، جسے "پہاڑی کا وعظ" کہا جاتا ہے۔ یہ انتہائی اہم خطبہ بھی جس کی حیثیت اساسی ہے مفصلاً انجیلِ متی ہی میں درج ہے "مرقس" میں کافی اختصار کے ساتھ ہے اور "لوقا" میں اسکے چند حوالے ہی ملتے ہیں۔

ان چار کتب انجیل کی تلاش کے لئے یا تو ان چند خطبات کو دیکھنا پڑتا ہے یا مسیحؑ کی بیان کردہ تماثیل کو ـــــ ان حالات میں ان کتب سے خدائی کلام کا مذکورہ وصف تعیینِ خطاب تلاش کرنا خاصا مشکل ہے۔ مگر پھر بھی ان کتابوں میں جن کو عیسائی علماء نے پولوس

کے عطا کردہ عقائد کی روشنی میں لکھا اور بعد کے علماء نے انہی عقائد کی روشنی میں کئی صد میں سے چار کا انتخاب کیا' خطاب کی تبدیلی ہمیں کئی جگہ نظر آتی ہے اور ان میں خدائی کلام کا انداز ملتا ہے۔اور ہیبت و جلال جھلکتا ہے مثلاً :

مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔"(متی' باب ۵' آیت ۸'۹)

اس مقام پر کلام کا رخ یا تو جبرائیل کی طرف سے ہے یا نبیؐ کی طرف سے، لیکن آگے کلام کا رخ بدلتا ہے' جس میں کلام اللہ کی طرف سے ہے اور مخاطب یا مسیحؑ ہیں یا لوگ۔

"جب میرے سبب سے لوگ تم کو ناحق ستائیں گے اور ہر طرح کی باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہوگے۔" (آیت ۱۲)

آگے کلام اللہ کی طرف سے ہے اور منتہی حضرت مسیحؑ ہیں:

"شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا بڑا اجر ہے۔ اسلئے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا۔" (آیت ۱۳)

اسی طرح کئی جگہ کلام اللہ کی طرف سے ہے' مگر تحریف کر کے اسے مسیحؑ کی طرف سے بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر جو لوگ منصبِ نبوت اور اندازِ کتبِ سماوی سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس چیز کو جانچ لیتے ہیں۔ مثلاً یوحنا باب ۱۶ میں خطاب مسیحؑ کی طرف سے ہے :

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اسلئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (آیات ۱۲' ۱۳)

اگلی آیت میں کلام اللہ کی طرف سے ہے:

"وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لئے کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔" (آیت ۱۴)

یہ کلام واضح طور پر اللہ کی طرف سے ہے مگر اسے مسیحؑ کی طرف منسوب کرنے کے لئے

(باقی صفحہ ۶۴ پر)